مولانا ابوالکلام آزاد
(سلسلۂ ادب اطفال)
از
وقار خلیل
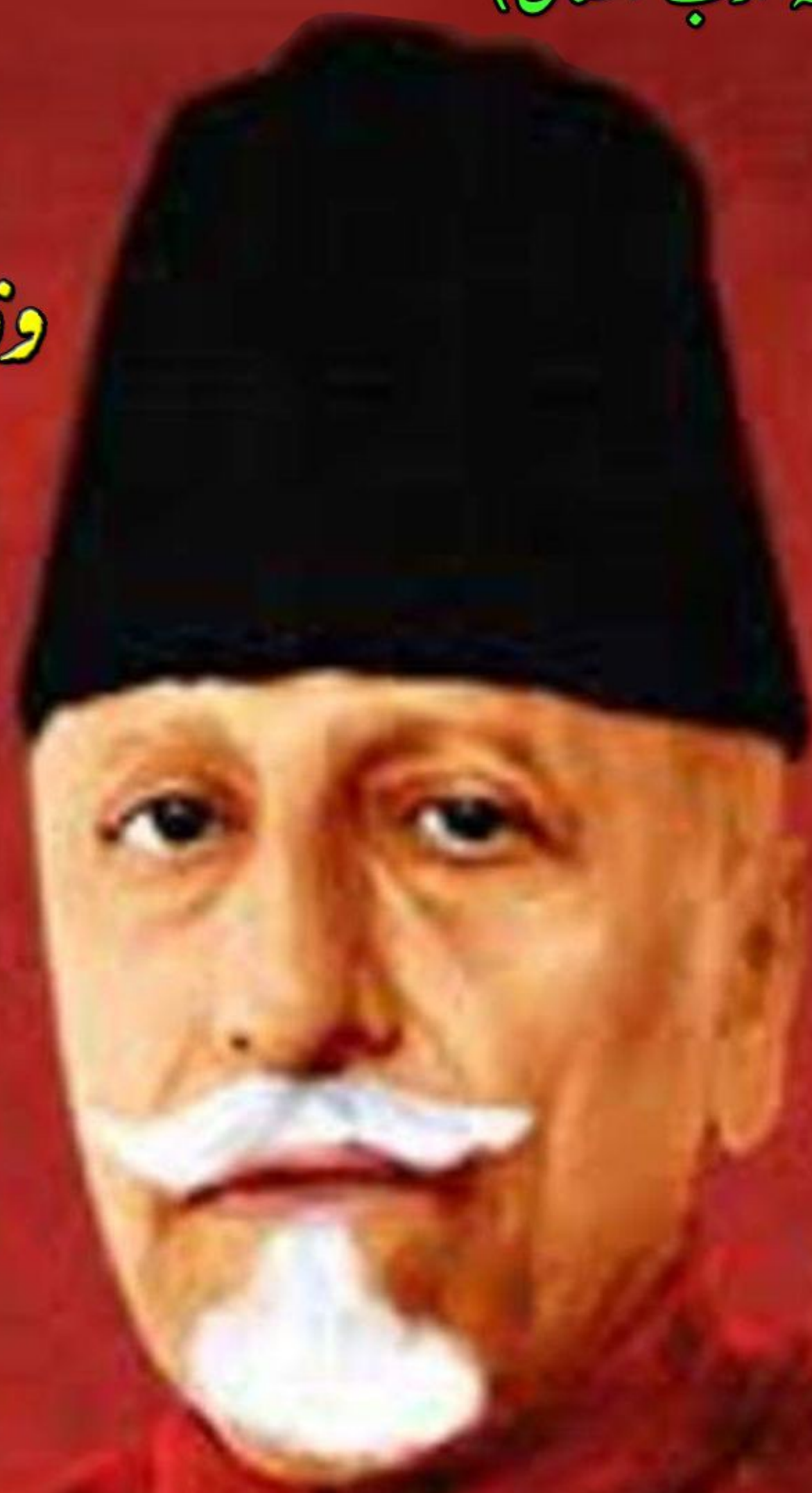
سلسلۂ مطبوعات ادارۂ ادبیات اُردو شمارہ (۲۵۸)

سلسلۂ ادب اطفال

مولانا ابوالکلام آزاد

از

وقار خلیل

پہلی بار .... سنہ ۱۹۵۸ء
دوسری بار .... سنہ ۱۹۷۳ء
تیسری بار .... سنہ ۱۹۸۱ء

قیمت:- ایک روپیہ پچیس ۲۵ پیسے
مطبوعہ:- نیشنل فائن پرنٹنگ پریس، چار کمان، حیدرآباد، اے پی

اس سلسلہ کی دوسری مطبوعہ کتابیں

۱- ہمارے پھول — پروفیسر سعید الدین
۲- زہریلے پودے — ڈاکٹر عبدالسلام
۳- چیونٹی — ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ
۴- پانی کی کہانی — جناب فیض محمد صدیقی مرحوم
۵- پودوں کی کہانی — پروفیسر محمد سعید الدین
۶- آب دوز اور سرنگ — جناب فیض محمد صدیقی مرحوم
۷- کشمش ناتی — جناب شجاع احمد صاحب قائد
۸- باتیں — جناب شجاع احمد صاحب قائد
۹- عرب اور عربستان — محترمہ جہاں بانو نقوی (ایم-اے)
۱۰- سرسید احمد خاں — جناب ظہیر الدین احمد ایم-اے (مرحوم)
۱۱- دادا بھائی نوروزجی — جناب ظہیر الدین احمد ایم-اے (مرحوم)
۱۲- اشوک اعظم — سیدہ مہدی جعفری صاحبہ
۱۳- سیر گولکنڈہ — ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور
۱۴- حیدرآباد — ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ صاحبہ
۱۵- عماد الملک — جناب فیض محمد صدیقی (مرحوم)
۱۶- گاندھی جی — جناب خورشید احمد صاحب جامی
۱۷- سروجنی نائیڈو — جناب سید وزیر حسن صاحب دہلوی
۱۸- محمد قلی قطب شاہ — جناب وقار خلیل صاحب

ملنے کا پتہ:- ایوان اُردو خیریت آباد حیدرآباد دسمبر ۸۱ء ۵۰۰۰

اندر کے صفحات میں

ایک بات :-

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد
کے بارے میں بچوں اور کم پڑھے لکھے لوگوں
کے لیے آسان اردو میں یہ کتاب لکھی گئی ہے

اور

اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی
ذہانت اور علمیت کا ہلکا سا خاکہ ملک کے نونہالوں
کے لیے روشنی کا مینار بن جائے۔
کیا بچے اور کیا بڑے۔
سبھوں کو چاہیے کہ مولانا کی زندگی سے سبق
حاصل کریں اور اپنے مستقبل کو سنواریں
ادارہ ادبیات اردو
کی طرف سے یہ کتاب پیش کی جارہی ہے
جس کے لیے محترم ڈاکٹر زور صاحب
شکریہ کے مستحق ہیں۔

وقار خلیل

مدیر بچوں کا رسالہ انعام
۱۵؍اکتوبر ۱۹۵۸ء
سلطان شاہی حیدرآباد ۵۰۰۰۰۲

مولانا آزاد کا خاندان

مولانا آزاد کے خاندانی سلسلے میں سب سے پہلے مولوی شیخ جمال الدین دہلوی کا نام نظر آتا ہے۔ آپ اکبر بادشاہ کے زمانے میں مشہور عالم اور نیک بزرگ گذرے ہیں۔ آپ نے دو سال مکہ معظمہ میں بھی گذارے آپ کے ایک صاحبزادے شیخ محمد تھے جن کا ذکر شہنشاہ جہانگیر نے اپنی کتاب "تزک جہانگیری" میں نہایت ادب کے ساتھ کیا ہے۔ شیخ صاحب بھی اپنے زمانے کے اچھے عالم اور مشہور بزرگ تھے۔ مولانا آزاد کے پڑنانا قاضی سراج الدین صاحب ہرات کے مشہور خاندان سے تھے، آپ احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہندوستان آئے تھے۔ بعد کو احمد شاہ نے آپ کو پنجاب کا "صدر قاضی" مقرر کیا تھا۔

مولانا آزاد کے والد مولانا محمد خیرالدین ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ نے دینی تعلیم و تربیت اٹھارہ برس کی عمر میں ختم کر لی اور دوسروں کو پڑھانا شروع کر دیا۔ آپ تصوف کے بڑے عالم تھے آپ نے عربی اور فارسی میں کئی کتابیں بھی لکھیں نہ صرف دہلی بلکہ کاٹھیاواڑ، بمبئی اور کلکتہ میں آپ کے ہزاروں مرید تھے ۱۸۵۷ء میں جب دہلی پر انگریزی فوجوں نے دوسری بار قبضہ کیا تو اوروں کی طرح آپ کو بھی اپنی جان بچانے کے لئے دہلی چھوڑنا پڑا اور آپ مکہ معظمہ پہنچے۔ ترکی کے سلطان عبدالمجید مولانا خیرالدین کی علمیت سے واقف تھے، مکہ میں آپ کے

پہنچنے کی خبر سن کر سلطان نے قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی اور آپ دو سال سے زیادہ سلطان کی سرپرستی میں رہے۔ جہاں آپ کی بہت سی کتابیں چھپیں۔ قسطنطنیہ سے واپس آنے پر آپ نے ہندوستان اور دوسرے اسلامی ملکوں میں اپنے بے شمار مریدوں کی مدد سے مکہ کی مشہور نہر "زبیدہ" کی تعمیر کے لیے چندہ جمع کیا اور قریب انتیس لاکھ روپیوں میں نہر تعمیر ہوئی۔ مدینہ منورہ کے مفتی شیخ محمد ظاہر وتری کی بھانجی سے مولانا خیرالدین نے شادی کی تھی۔ انھیں کے بطن سے مولانا آزاد اور ان کے بڑے بھائی ابوالنصر غلام یاسین پیدا ہوئے۔

ابوالنصر مولانا آزاد سے دو تین برس بڑے تھے۔ انھیں عربی ادب اور اردو شاعری سے خاص دلچسپی تھی۔ انیس بیس برس کی عمر میں ۱۹۰۷ء میں سخت بیمار ہو کر انتقال کر گئے۔ ابوالنصر اپنا کلام اُستاد داغ دہلوی کو دکھاتے تھے اور شاعری میں آہ تخلص کرتے تھے۔

مولانا خیرالدین زیادہ عرصہ تک کلکتہ میں رہے، آپ کی کوششوں سے تعمیر کرائی ہوئی دو مسجدیں "مسجد ناخدا" اور "مسجد ٹیپو سلطان" آج بھی کلکتہ کی بڑی مسجدوں میں گنی جاتی ہیں۔ آپ کے وعظ ہر جمعہ ہوا کرتے تھے۔ جن کے سننے کے لیے کلکتہ اور اطراف سے ہزاروں لوگ جمع ہوتے آپ کا وعظ اس قدر اثر کرتا تھا کہ لوگ تین تین چار چار گھنٹہ خاموش بیٹھے سنتے رہتے اور ایک شخص بھی اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ آپ کی آواز اتنی بلند تھی کہ اول سے آخر تک برابر ایک حالت پر رہتی۔ اور

بیس پچیس ہزار کی مجلس میں آخر کے لوگ بھی ویسا ہی سنتے جیسا کہ ممبر کے پاس والے۔

کلکتہ میں مولانا خیرالدین نے ۱۹۰۹ء میں انتقال فرمایا۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ "کلکتہ میں اتنا مجمع کسی واقعہ پہ ہوا ہو جتنا والد کے جنازے کے جلوس پہ ہوا۔ ظہر کے وقت انتقال ہوا مغرب کے بعد جنازہ اٹھایا گیا جونہی جنازہ اٹھا تمام سڑکیں اور بازار بند ہو گئے، ریل گاڑیاں تک رک گئیں اور یہ حالت ہو گئی کہ جنازہ گھنٹوں لوگوں کے ہاتھوں پر جاتا رہا اور کاندھے پر رکھنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ لوگوں کی کثرت کا یہ حال تھا کہ رات کے بارہ بجتے بجتے پانچ مرتبہ جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ ایک مرتبہ جامع مسجد میں اور چار مرتبہ قبرستان میں۔ آخرکار بڑی سخت کوشش سے مزید دیری کو روکا گیا اور دفن کیے گئے"

مولانا خیرالدین ہر کام ٹھیک وقت پر کرنے کے عادی تھے۔ یہاں تک کہ ان کے اوقات سے لوگ اپنی گھڑیاں ملا لیا کرتے تھے۔ آپ سادہ زندگی کو پسند کرتے تھے اور غریب امیر سب سے ایک جیسا برتاؤ کرتے تھے۔ آپ نے کسی امیر یا رئیس کی تعظیم نہیں کی اور نہ کبھی کسی امیر کے گھر دعوت کھائی۔ اس کے برخلاف آپ غریبوں کی دعوتیں خوشی سے قبول کر لیتے اور ان کے چھپر کے کچے مکانوں میں بیٹھ کے مٹی کے برتنوں میں کھانے کو برا نہیں سمجھتے تھے۔

ایسے بہت سے واقعات مشہور ہیں کہ وہ لوگ جو پریشانی اور

غریبی کی حالت میں آپ کی دعائیں لیتے خوش حال اور دولتمند ہوجاتے تھے۔ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ بیس پچیس آدمی آپ کے دسترخوان پر کھانا نہ کھاتے ہوں۔ نوّے برس تک جیے اور صحت مند رہے ایک دانت بھی نہیں ٹوٹا۔ حافظہ کا یہ حال تھا کہ سات آٹھ ہزار کتابوں سے متعلق کونسی بات کہاں اور کن صفحوں پر ہے؟ بالکل صحیح صحیح بتلادیا کرتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد

پیدائش اور بچپن مولانا ابوالکلام آزاد ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء کو مکہ شریف میں محلہ قدوہ متصل باب السلام پیدا ہوئے آپ کا نام سید محی الدین احمد رکھا گیا۔ ابوالکلام کنیت، فیروز بخت تاریخی نام اور آزاد تخلص قرار پایا۔ لیکن بعد میں آپ ابوالکلام آزاد کے نام سے ہی مشہور ہو گئے۔ بچپن کا ابتدائی زمانہ عرب میں گزرا جب آپ دس برس کے تھے کہ آپ کے والد عرب سے کلکتہ تشریف لے آئے اور وہیں آباد ہو گئے۔

مولانا آزاد چھٹپن کی عمر میں ہی ذہین اور ہوشیار تھے، انھیں اپنی ابتدائی زندگی کے بہت سے واقعات پوری تفصیل کے ساتھ یاد تھے۔ مولانا لکھتے ہیں کہ مجھے کئی بار خیال ہوا کہ میں اپنی چار برس کی عمر کے چند نمایاں واقعات اچھی طرح یاد رکھتا ہوں میری پیدائش مکہ میں

ہوئی اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میرے ماموں مکان کی سیڑھیوں سے مجھے گود میں لیئے ہوئے گرے تھے پھر انھیں اٹھا کر نیچے کی منزل میں لایا گیا اور ایک پلنگ پر لٹا دیا گیا۔ جس پر زرد شال بچھی ہوئی تھی۔ میری عمر جیسا کہ بعد کو بتلایا گیا اس وقت چار سال کی تھی۔ والد مرحوم نے جب آخری سفر ہندوستان کا کیا تھا تو اس وقت میری عمر آٹھ نو برس کی تھی۔ حرم شریف میں بسم اللہ کی تقریب کرائی گئی۔ اس وقت میری عمر پانچ برس کی تھی۔ عصر کا وقت تھا، شیخ عبداللہ مرحوم نے مجھ سے تین بار "یا فتاح" کہلوایا تھا اور اس کے بعد "الف سے شین" تک کے حرفوں کی پہچان کرائی گئی تھی میٹھے سموسے قاب میں بھرے ہوئے گھر سے آئے تھے جو حرم شریف میں تقسیم کیئے گئے۔ میں للچائی ہوئی نظروں سے انھیں دیکھ رہا تھا اور حافظ صاحب تقسیم کر رہے تھے۔ جب میں نے قاب سے سموسے لینے کی کوشش کی تو حافظ صاحب نے روک دیا اور خود ایک سموسہ میرے مُنہ میں رکھ دیا۔"

ابتدائی تعلیم

مولانا آزاد کی ابتدائی تعلیم والد کی نگرانی میں گھر پر ہی ہوئی کہ چھوڑنے سے پہلے چھ سال کی عمر میں آپ نے قرآن ختم کر لیا تھا اور سورۂ یٰسین اور سورۂ ق وغیرہ زبانی حفظ کر لیئے تھے اور حرم شریف میں قرأت کے لیئے جانے لگے تھے۔

آپ کے والد صاحب پڑھاتے وقت صرف کتابوں سے مدد نہیں لیتے تھے اور نہ ہی آج کے اُستادوں کی طرح رٹاتے تھے۔ بلکہ آپ جس موضوع پر پڑھاتے پہلے پہل اس پر ایک وسیع اور معلوماتی تقریر کرتے پھر جو چیز کتاب میں ہوتی اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے۔ آپ کے والد شرحوں سے مدد لینے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جب پڑھانے کا وقت آتا تو آپ کے والد کتاب کو ہاتھ میں لیتے اور مولانا آزاد سے اس طرح پوچھتے کہ گویا وہ خود پڑھ رہے ہیں اور مولانا پڑھا رہے ہیں۔ پھر جو غلطیاں ہوتیں اُنھیں وہ بتلاتے مزید بیان بعد کو شروع کرتے۔ اِس طرح کی تعلیم کے سبب مولانا آزاد نے بڑی آسانی اور ذہانت سے علم سیکھا ایک بار آپ کے والد صاحب نے امتحان لیا اور آپ نے صحیح جوابات دیئے تو وہ بہت خوش ہوئے اور ایک عمدہ کشمیری شال انعام میں دی۔ اسی تعلیم کا سبب تھا کہ مولانا نے کبھی رٹنے رٹانے کے طریقے کو پسند نہیں کیا۔ صرف سبق لیتے وقت کی یادداشت آپ کے کام آتی رہی اور آئندہ کے سبق آپ نے ہدایتوں کے مطابق اچھی طرح ذہن نشین کر لیئے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی گذشتہ سبق کے امتحان یا سوال میں کسی طرح کی کوئی غلطی ہوئی ہو۔

تربیت

مولانا آزاد اپنی تربیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
"بچپن میں والد کی تربیت اس درجہ شدید اور سخت تھی کہ بہت کم لوگوں کو اس کا یقین آئے گا۔ وہ سمجھتے تھے کہ باہر کی ذراسی بھی آب و ہوا ہمیں گندہ کر دے گی۔ انہوں نے ابتدا ہی سے یہ طریقہ بنا رکھا تھا کہ ہماری پوری دنیا کھیل کود کی سیر و تفریح کی تعلیم کی جو کچھ تھی' صرف اپنا مکان۔ سوائے ان کی اجازت کے جو بہت کم ملتی تھی ہم کمٹ کے باہر قدم نہ رکھ سکتے تھے سال میں صرف ایک دو مرتبہ اس کا موقع ملتا تھا کہ ہم حافظ ولی اللہ کے ساتھ شہر جا سکیں۔ اس کے علاوہ گھر میں بھی کھیل کود کا سامان نہ تھا۔ ہندوستانی کھیل کود کے طریقے بعد کو ہماری سمجھ میں آتے گئے ورنہ بچپن میں تو ہم یہ کھیل جانتے بھی نہ تھے۔"

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا آزاد کی تربیت بچپن ہی سے نہایت گہری مذہبی فضا میں ہوئی تھی اور چھ سات برس کی عمر ہی سے آپ نماز روزے کے پابند کرا دیئے گئے تھے۔ بچپن میں والد کے پیچھے نماز کی صف میں ایسے ہی شوقیہ کھڑے ہو جایا کرتے تھے' بعد میں نماز کے پابند کرائے گئے۔ ٹھیک صبح چار بجے والد کی

آواز پر آپ جاگتے اور سب سے پہلی آواز " جاؤ وضو کرو" کی کانوں میں پڑتی۔ پھر وضو کے بعد والد کے پیچھے نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے جب عمر ذرا زیادہ ہوئی تو مسجد جانے کا حکم ہوا۔ فجر اور ظہر والد صاحب کے پیچھے پڑھتے تھے۔ عصر اور مغرب مسجد میں پھر عشاء کی نماز بھی مسجد میں والد کے پیچھے ادا ہوتی اور پھر رات دیر گئے تک وظیفہ پڑھنے کی مجلس (حلقہ) میں بیٹھتے لوگ بادام کے دانوں پر کچھ پڑھتے اور مولانا ان دانوں کو دیکھ کر للچاتے اور چاہتے کہ لوگوں کی نظر بچا کر ایک آدھ مٹھی بادام جیب میں ڈال لیں۔ لیکن دماغ میں بٹھائی گئی۔ یہ بات کہ " بادام کڑوے ہیں" یاد آجاتی تو چار و ناچار ہاتھ روک لیتے۔

اِس طرح آٹھ دس برس کی عمر میں مولانا آزاد اپنے والد کی طرح ہر کام وقت پر کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ شام میں سو جانے، صبح کو اٹھنے نماز کے اوقات، دستر خوان پر حاضری ان ساری باتوں میں جو طور طریقہ والد نے قرار دیا تھا، آپ بھی اسی سانچے میں ڈھل گئے تھے۔ جیسا کہ اس عمر میں کھیل کود کو جی چاہتا ہے، مولانا بھی مچل جاتے کہ کھیلیں کودیں، شرارتیں کریں مگر گھریلو ماحول ایسا نہیں تھا اور کئی ایک پابندیاں قدم روکتی تھیں، اس لیے مجبور ہو کر چپ ہو جاتے اسی ماحول کا اثر تھا کہ مولانا میں وقت سے پہلے سنجیدگی پیدا ہو گئی تھی۔

تقریر اور مباحثے کا شوق

مولانا آزاد آٹھ نو برس کے تھے کہ ان دنوں اکثر ایسا ہوتا کہ مغرب کے بعد دیوان خانے میں جہاں والد کے مرید ملاقات کے انتظار میں موجود ہوتے تو آپ ایک واعظ کی طرح وعظ شروع کر دیتے۔ اِس چھوٹی سی عمر میں عام طور پر کسی سے کھل کر بات تک نہیں کی جا سکتی اور شرمندگی و جھجک ہوا کرتی ہے۔ لیکن مولانا میں نہ شرمندگی تھی نہ کسی قِسم کا ڈر۔ آپ بے جھجک اپنا وعظ شروع کر دیتے تو بیچارے مرید لوگ حلقہ باندھ کر بیٹھے رہتے اور عقیدت سے سنتے۔

آپ کا یہ شوق بڑھتا ہی گیا جب کوئی مخاطب ملتا تو جو آدمی بھی ملتا آپ اُسی کے آگے لمبی لمبی تقریریں شروع کر دیتے۔ گھر میں مریدوں اور معتقدوں کی کمی نہ تھی۔ جن میں عالم کم اور عام لوگ زیادہ رہتے۔ لیکن یہ لوگ مولانا کی ہر بات کو پیرو مرشد کے بیٹے کی بات سمجھ کر مان لیتے اور اعتقاد کے ساتھ مولانا کی ہر تقریر سنتے تھے مغرب کے بعد پچاس ساٹھ آدمی باہر کے دیوان خانے میں بیٹھے رہتے اور جب مولانا وہاں پہنچتے تو بات میں بات نکلتی اور پھر یہ بات تقریر یا وعظ کی صورت اختیار کر جاتی۔ مولانا آزاد جو اس وقت دس برس کے تھے۔ لوگوں میں بے جھجک کھڑے دو دو گھنٹے کہا کرتے اور سُننے والے خاموش سر جھکائے آپ کی تقریر سُنتے۔ اِن دنوں

آپ کی تقریروں کی کلکتہ بھر میں شہرت تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ آپ کے والد اور آپ کی والدہ دونوں بہترین مقرر تھے۔ ایسے ماحول میں ان خوبیوں کا مولانا میں پیدا ہونا فطری بات تھی، جیسا کہ مشہور ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔

اسی زمانے میں مولانا کو بحث ومباحثے کا بھی شوق ہو گیا تھا آپ جس کسی عالم آدمی سے ملتے، اُن سے مذہبی مسئلوں پر گھنٹوں بحث کیا کرتے۔ ہم سبق طالبِ علموں اور مولویوں سے اکثر مکان پر یا زیادہ تر مسجد میں عصر سے مغرب تک اور بعض اوقات عشاء کی نماز تک بیٹھے بحث کیا کرتے۔ کبھی کبھی تو بحث اس قدر بڑھ جاتی کہ اسکا سلسلہ چار پانچ دنوں تک چلتا۔ ایک بار آپ نے دو ہفتوں تک بحث جاری رکھی اور اپنی بات منوا کر ہی اُٹھے۔ مولانا دس بارہ برس کی عمر ہی میں بڑے بڈھے اور عالموں کے ساتھ وہ بحث مُباحثے کرتے اور ایسی ایسی مثالیں اور دلیلیں پیش کیا کرتے کہ لوگ مولانا کی علمیت اور کم عمری پر حیرت کرنے لگتے تھے۔

اُردو تعلیم کا آغاز

اُردو سے مولانا نے پہلے پہل کن حالات میں دلچسپی لینا شروع کیا اور ان کے گھر میں اُردو سے کیسا بیر تھا، اس کے بارے میں خود مولانا آزاد نے اپنے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں۔ عربی تو ہماری گھریلو

زبان ہی تھی۔ میری بہنیں تو ٹھیک اُردو بھی نہیں بول سکتی تھیں۔ کیونکہ بچپن کا ابتدائی زمانہ مکہ معظمہ میں ایسا گذرا کہ گھر میں اُردو میں بات چیت ضرور ہوتی تھی لیکن والدہ مرحومہ کو اُردو زبان اس قدر ناپسند تھی کہ وہ اس زبان میں کسی بات کو سُننا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ ویسے تھوڑی تھوڑی اُردو سمجھنے لگی تھیں لیکن بول بالکل نہیں سکتی تھیں۔

والد مرحوم ہم لوگوں سے صرف اُردو ہی میں بات چیت کرتے اور سکھاتے تھے اوّل اوّل ہمیں اردو صحیح طریقے پر بولنا نہ آیا۔ مگر آہستہ آہستہ کوشش سے غلط الفاظ دور ہوتے گئے۔ ہماری خالہ صاحبہ کو تو اردو سے اللہ واسطے کا بیر تھا۔ جب کبھی والد مرحوم ہم سے اُردو میں بات چیت کرتے یا ہمیں اُردو سکھاتے تو یہ بہت ہی بگڑتیں اور کہتیں کہ "تم ہمارے لڑکوں کو خراب کر رہے ہو" ایک مرتبہ ہماری خالہ نے ایک غریب بنگالی مولوی کو جو ہمارے یہاں رہتا تھا اور ہم لوگوں کی بڑی خدمت کیا کرتا تھا محض اُردو بولنے اور اُردو لب و لہجے میں قراءت کی آواز نکالنے پر نکال دیا تھا۔ بڑی مشکل سے دو دن بعد والد مرحوم نے بیچارے کو دوبارہ بلا لیا تھا۔

مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے ہی سے مولانا آزاد نے اُردو سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ مگر باقاعدہ اُردو تعلیم کا

آغاز کلکتہ آنے کے بعد ہوا۔ مکہ میں آپ نے صرف اُردو حروف تہجی سے زیادہ نہیں سیکھا۔ گھر پر بڑی بہن اور باہر حافظ صاحب نے مولانا کو اُردو سکھانے کا کام اپنے ذمہ لیا ہاں قرآن پڑھنے کے سبب اُردو بھی رک رک کر پڑھنے لگے تھے۔ لیکن لکھنے کی بالکل مشق نہیں ہوئی۔ والد کی توجہ فارسی اور عربی کی طرف زیادہ رہتی۔ اس زمانے میں مولانا آزاد کو خود بخود اُردو مضامیں پڑھنے کا شوق یوں ہوا کہ ان کی بڑی بہن کے پاس کچھ قصے کہانیوں کی کتابیں تھیں جس میں ابراہیم بن ادھم وغیرہ کے قصے تھے۔ پہلے پہل بڑی بہن پڑھتی تھیں اور مولانا سنتے تھے۔ اس طرح اُردو کتابوں سے مولانا کا شوق بڑھتا گیا۔ پھر خود ہی لکھنے پڑھنے لگ گئے اور آہستہ آہستہ آپ میں قابلیت پیدا ہو گئی۔ شروع میں سنہ لکھنے کی مشق کی۔ کیونکہ اس کا خاص املا آپ کو بہت اچھا معلوم ہوتا تھا۔ قصوں کے پڑھنے اور لکھنے کے شوق نے اس قدر ترقی کرلی کہ تھوڑے ہی دنوں میں آپ نے اُردو ادب کے پرانے اور مشہور قصے فسانۂ عجائب' باغ و بہار اور قصۂ حاتم طائی وغیرہ پڑھ ڈالے۔ اس زمانے میں آپ کے والد کے ایک مرید محمد امین تھے۔ جنھیں قصوں کا بہت شوق تھا۔ کبھی کبھی یہ بیچارے مولانا کو قصے سناتے رہتے۔ جب

حافظے سے قصوں کا اسٹاک ختم ہو جاتا تو یہ نئے نئے قصّوں کی کتابیں لاکر دے دیا کرتے۔ اِس طرح قصوں کے پڑھنے کے شوق نے مولانا میں اُردو مطالعہ کا شوق پیدا کر دیا۔ یہ شوق بڑھتا ہی رہا اور پھر آپ نے اُردو کے ناول بھی پڑھنے شروع کئے مولانا عبدالحلیم شرر کے کئی ایک ناول پڑھ ڈالے اِسی شوق میں آپ نے کلکتہ کے ایک تاجرِ کتب سے ہر تازہ ناول خریدنا شروع کیا اور یہ حال ہو گیا کہ جس قدر بھی روپے ملتے وہ نئی نئی کتابوں کے خریدنے میں صرف کر دیتے۔ اس طرح آپ نے مولانا حالی، مولوی محمّد حسین آزاد، سر سیّد احمد خاں، مولانا شبلی، مولوی نذیر احمد اور مولوی عبدالحلیم شرر کی اکثر کتابیں خرید لی تھیں۔

عربی اور فارسی میں مہارت

مولانا آزاد کے والد کو چونکہ فارسی ادب کا اعلیٰ ذوق تھا اس لئے وہ اس کی ضرورت کو محسوس کرتے تھے اور عربی تعلیم کی طرح فارسی سکھانے کا بھی انھوں نے خاص اہتمام کیا تھا۔ کلکتہ میں ایک بہت ہی قابل سیاح مرزا محمّد حسین حلبی عراق سے ہندوستان آئے تھے۔ مرزا صاحب عربی کے بہت

اچھے ادیب تھے اور فارسی تحریر میں تو بقول مولانا آزاد ان سے بہتر لکھنے والا دوسرا کوئی نہ تھا۔ آپ نے فارسی بول چال اور محاوروں کے وہ سینکڑوں بھید جو کتابوں سے کسی طرح حاصل ہی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرزا صاحب سیاح سے سیکھے۔ فارسی مضامین اور شعروں میں ان سے اصلاح بھی لینی شروع کی' طریقہ یہ ہوتا کہ مولانا کسی اُردو کتاب کو لے لیتے اور اس کا فارسی ترجمہ کرنے لگتے۔ چنانچہ آپ نے تذکرۂ آبِ حیات فارسی میں ترجمہ کر کے مرزا صاحب کو بتلایا اور اصلاح لی۔ اسی زمانے میں آپ نے فارسی لغت بھی لکھی۔ اس کے علاوہ جو بھی ایرانی مل جاتا فوراً مولانا اس سے ملتے اور فارسی ادب پر تبادلہ خیال کرتے۔ آپ نے اتفاقی طور پر ترکی زبان بھی ایک ترک سیاح طاہر بک سے سیکھی جو سات آٹھ ماہ کلکتے میں رہے۔

عربی اور فارسی کا مکمل کورس" درس نظامی" جن میں لسانی تعلیم' فلسفہ' منطق' حساب' جغرافیہ اور تاریخ بھی شامل ہے اور جسے ایک اچھا ذہین طالب علم دس برس میں اور اوسط درجے کا طالب علم چودہ برس میں مکمل سیکھتا ہے۔ اسے مولانا آزاد نے صرف چار برس میں ختم کر لیا اور گیارہ برس کی عمر میں خود تعلیم پانے کے ساتھ ساتھ گھر پر دوسروں

کو بھی مغرب کے بعد پڑھایا کرتے تھے۔

مُطالعہ کا شوق

دس سال کی عمر میں کھیل کود کی جگہ ایک لکھنے پڑھنے والے لڑکے میں سنجیدگی پیدا ہو جائے اور کسی حالت میں ممکن نہ تھی۔ مگر اس عمر میں مولانا کو کتابوں کے مطالعہ کا اتنا شوق ہو گیا تھا کہ جیب خرچ کے جو پیسے ملتے تھے آپ ان کو جمع کرتے اور ان سے اُردو کتابیں خریدتے۔ مولانا نے اُردو کتابوں کے اس شوق کو "تعلیمی بدچلنی" کا نام دیا ہے۔ کیونکہ آپ ان غیر درسی کتابوں کا مطالعہ والد کی نظر سے بچ کر کیا کرتے تھے۔

دس سال کی عمر میں آپ صبح اُٹھ کر والد صاحب سے سبق لیتے، پھر دوسرے اُستادوں کے پاس سبق لینے چلے جاتے اور پھر دوپہر کو سبق یاد کرنے میں لگ جاتے۔ سہ پہر کو والد صاحب بلاتے تھے اور جو کچھ پڑھا اسے سُنتے یا پھر کوئی مفید تذکرہ چھیڑ دیتے۔ مغرب کے بعد پھر ایک سبق والد کے پاس ہوتا۔ اس کے بعد کا وقت سونے کے لیے تھا۔ لیکن مولانا آزاد یہ وقت اُردو کی کتابوں کے مطالعے میں صرف کرتے

بستر کے نیچے سے کتابیں نکالتے اور موم بتی جلاکر مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ اس طرح رات کے ایک ایک اور دو دو بج جاتے۔ رمضان کے دنوں میں تو آپ سحر تک مطالعہ میں لگے رہتے مطالعہ کی کثرت کی سبب آپ کی صحت متاثر ہونے لگی۔ جب آپ کے والد صاحب کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بہت غصہ ہوئے اور سختی سے مطالعہ کی نگرانی کرنے لگے۔ آپ کو سرسید کی کتابوں سے شوق نہیں بلکہ عشق ہو گیا تھا۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے سرسید کی تمام کتابیں پڑھ ڈالی تھیں اور ان کے خیالات کا مولانا آزاد کی زندگی پر گہرا اثر ہوا جو بعد کو 'الہلال' اور 'البلاغ' میں ابھرا۔

مولانا آزاد صرف مطالعہ ہی نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے والد کے کہنے کے مطابق کتابوں سے نوٹس بھی لیا کرتے تھے۔ اگر لکھنے کے لئے کوئی بیاض نہ ملتی تو آپ کتابوں کے صفحوں پر ہی نشان لگاتے یا پھر علیحدہ لکھ لیتے تھے۔ اس طرح کتابوں کی اچھی باتیں چن لیتے اور انہیں پوری طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

جوں جوں کتابوں کا شوق بڑھتا گیا ان کی خریدی کے لیے روپیوں کا موازنہ بھی بڑھتا گیا۔ کتابوں کے لیے پیسے دینے میں آپ کے والد بڑے فیاض تھے مگر مولانا تو ہر کتاب کو خریدنے کے لیے دوڑتے ؟ آخر والد صاحب کہاں تک

روپے دیتے۔ اس خصوص میں بعض اوقات والد کے خاص معتقدین جو زیادہ آتے جاتے رہتے اور ہمیشہ اس بات کے خواہش مند ہوتے کہ پیر و مرشد کے بچوں کی خدمت کریں۔ مولانا یا آپ کے والد مریدوں سے ایسی خدمت لینا نہیں چاہیئے تھے۔ مگر کتابوں کے شوق میں مولانا آزاد نے بعض مریدوں سے استفادہ کیا اور یہ لوگ مولانا کو ان کے پسند کی کتابیں خرید کر لادیا کرتے۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ مولانا اپنی پسند کی کتابوں کے وی۔ پی باہر سے منگوا لیتے اور اس کی رقم مرید لوگ ادا کر دیتے۔

پیری مُریدی سے نفرت

مولانا آزاد نے مرشدانہ گھرانے میں آنکھ کھولی۔ جو شخص آپ کے والد سے ملنے آتا پہلے تو سلام کے بعد کھڑے کھڑے جھک کر ان کا ہاتھ چومتا اور آنکھوں پر لگاتا، اس کے بعد بیٹھ جاتا اور ان کے قدم چومتا۔ زیادہ عقیدت مند تو جبتک دونوں پاؤں چوم نہ لیتے چپ نہ ہوتے۔ چلتے وقت پھر اسی طرح قدمبوسی ہوتی اور دروازے تک ہاتھ باندھے اور سر جھکائے جاتے۔ مولانا کو ان لوگوں کا یہ طریقہ پسند

نہیں تھا۔ اس کے متعلق اُن ہی کی زبانی سُنیئے۔۔

"ہم چونکہ پیرزادے سمجھے جاتے تھے اور ہمارے ساتھ بھی لوگ ایسا ہی عمل کرتے تھے اگر ہم والد کے پاس ہوں تو لوگ ان کے ہاتھ پاؤں چوم کر پھر اسی طرح ہمارے ہاتھ پاؤں چومتے۔ اگر اکیلے ہوتے تب بھی ہمارے ہاتھ پاؤں چومے جاتے اور کبھی تو یہ لوگ عقیدت میں آکر بازاروں میں جب ہم نکلتے تو چاہے کتنے ہی صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوں، زمین پر گر جاتے اور ہماری جوتیاں چومنے لگتے اور بعض تو جوتیوں کے تلے پر ہتیلی مل کر اس کی مٹی اپنے منہ پر مل لیتے۔ اب میں ان باتوں کو یاد کرتا ہوں تو شرم محسوس ہوتی ہے۔ عید کے دِن تو ہزاروں آدمی مسجد یا عیدگاہ میں ہمارے پاؤں پکڑتے تھے۔ عید کے قیمتی اور نئے جوڑے پہنے ہوئے ہیں، عطر لگائے ہوئے ہیں مگر کیچڑ بھری ہوئی زمین پر گھٹنے ٹیک کر گر جاتے تھے اور پاؤں نہیں جوتوں کو چومتے تھے۔ اس طرح مٹی ان کے چہروں کو لگ جاتی تھی اور کیچڑ کے دھبوں سے کپڑے داغدار ہو جاتے تھے۔ مگر عقیدت کے جوش میں انھیں ان باتوں کی زیادہ پروا نہ ہوتی۔

بعض لوگوں کی عقیدت ان کو ایک قدم اور آگے بڑھاتی تھی۔ وہ پاؤں کے تلوے چاٹنے لگتے۔ ان کے منہ کی رال جب

پاؤں پر ٹپکنے لگتی تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی، بعض لوگ ہاتھ اس طرح چومتے کہ ان کے منہ کے لعاب (تھوک) سے ہاتھ بھیگ جاتا اور میں اسی وقت صابن سے ہاتھ دھو آتا۔ ایک دفعہ تو لوگوں کی ان حرکتوں سے تنگ آکر رونے لگا تو بہن نے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ اور میں نے ہاتھ بڑھا کر بتلایا کہ ایک شخص نے اسے چومتے ہوئے تھوک لگا دیا ہے۔ اور اب میں ان گندے لوگوں سے نہیں ملا کروں گا۔ مجھے یاد ہے کہ اس بات پر گھر کے سب لوگ خوب خوب ہنسے تھے ایک بار والد مرحوم نے خوب اصرار سے پوچھا تو میں نے کہا کہ مجھے لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے کی عادت سے سخت نفرت ہے اس لیے میں اپنے آپ کو اس لائق نہیں سمجھتا کہ پیری مریدی کا کام شروع کروں، میری التجا ہے کہ مجھے میرے حال پہ چھوڑ دیجیئے۔

عمر کی مشکل

جب مولانا ابوالکلام آزاد دس برس کی چھوٹی عمر میں درس دیتے اور پھر وعظ کہنے لگے تو لوگ آپ کی کم عمری پر نت نئے سوالات کرنے لگے اور ہر طرف سے انگلیاں

اُٹھنے لگیں۔ ایک بار آپ کے ایک اُستاد نے آپ کے والد صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ احمد کا تاریخی نام "فیروز بخت" ہے جس سے آپ کو آسانی سے اندازہ ہو جائے گا۔ کہ یہ دس سال کا ہی ہے اس پر بھی ان حضرت کو یقین نہیں آیا۔ عمر کی اس مشکل کے سبب اکثر اس زمانے میں مولانا آزاد کو دکھ ہوتا اور وہ لوگوں کے عجیب عجیب سوالوں سے پریشان سے ہو جاتے کہ آخر صفائی کروں تو کیسے؟ اس سلسلے میں مولانا لکھتے ہیں کہ ۱۹۱۰ء میں ندوۃ العلماء کا کلکتہ میں جلسہ ہوا اور بہت سے علماء جمع ہوئے۔ میں اس وقت آخری کتابیں پڑھ رہا تھا اور تقریر کرنا بھی شروع کر چکا تھا۔ مقامی مشاعروں اور مشہور گلدستوں میں میرا کلام مقبول ہو چکا تھا اور اُردو "مضمون نگاری" بھی کرنے لگا تھا۔ دو چھوٹے چھوٹے رسالے بھی لکھے تھے ایک ضخیم کتاب بھی لکھنی شروع کر دی تھی۔ اس وقت میری عمر چودہ پندرہ برس سے زیادہ نہ تھی۔ لیکن بڑی مصیبت یہ تھی کہ کوئی شخص اس بیان کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ مولوی ظہیر الحسن مرحوم جن سے میں نے شاعری میں اصلاح لینی شروع کی تھی۔ ایک زمانے کی خط و کتابت اور کلام دیکھتے رہنے کے بعد جب کلکتہ آئے اور اسٹیشن پر میں ان سے ملا تو مکان تک راستے بھر وہ بالکل گم رہے اور بار بار اس طرح پوچھتے

رہے کہ گویا ان کو ابھی اس میں شک ہے کہ جو کلام میں ان کو بھیجتا ہوں وہ میرا نہیں کسی اور کا کہا ہوا ہے۔ لیکن جب وہ دو چار دن رہے اور ہر طرح کی گفتگو اور مباحثے میرے سُننے پھر ایک مختصر شاعرے کے لیئے جب انھوں نے امتحاناً دوپہر وقت مجھے طرح مصرعہ دیا جس پر میں نے آدھے گھنٹے میں اکتالیس اشعر لکھ دیئے تب کہیں ان کی بدگمانی دور ہوئی مگر تعجب بدستور باقی رہا۔ اِسی طرح "مولانا شبلی نعمانی" سے میں ۱۹۰۴ء میں ملا جب کہ میری عمر ۱۴ سال کی تھی۔ وہ مجھ سے آدھ گھنٹے تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے مگر چلتے وقت انھوں نے مجھ سے کہا کہ "اچھا تو ابوالکلام آپ کے والد ہیں؟" میں نے کہا کہ "نہیں میں ہی ہوں"! تو وہ بہت حیران ہوگئے۔

شاعری کا ذوق

دس گیارہ برس کی عمر میں مولانا کو شاعری کا شوق ہوا۔ پہلے پہل آپ نے اُردو اور پھر فارسی میں شعر کہنا شروع کیا ابتدا میں آپ کا کوئی تخلص نہیں تھا۔ مگر عبدالوحید خاں سہسرامی نے آپ کے لیئے آزاد تخلص تجویز کیا اور مولانا نے

اسے اس خیال سے قبول کیا کہ اس زمانے میں شاعروں کا کلام گلدستوں میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے چھپتا تھا اور الف والے تخلص کے شاعر کو سب سے پہلے جگہ ملتی تھی۔ پھر کیا تھا جلد ہی آپ نے کلکتہ کے اس زمانے کے شاعروں میں اپنی جگہ بنالی اور ملک کے اکثر گلدستوں میں آپ کی غزلیں چھپنے لگیں اور شاعروں میں آپ کی خوب تعریفیں ہونے لگیں۔ شاعری کا شوق زیادہ عرصے تک نہیں رہا اور آپ نے نثر کی طرف دھیان دینا شروع کیا۔

شادی

مولانا آزاد کی شادی زلیخا بیگم سے ہوئی تو آپ بارہ سال کے تھے اور زلیخا بیگم چھ سال کی ننھی منی بچی تھیں۔ ان کے والد آفتاب الدین صاحب بغداد کے ایک شریف گھرانے کے آدمی تھے اور مولانا کے والد کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ جن کی پانچویں صاحبزادی زلیخا بیگم تھیں۔ انھوں نے اس بچی کو پیر کے قدموں میں ڈال دیا اور مولوی خیرالدین نے بہت محبت سے اس حسین بچی کو گود لیا اور زلیخا نام رکھا پھر اس کو اپنی بہو بنالیا۔ زلیخا بیگم مولانا آزاد کی ہر طرح

خدمت گزاروں اور ان کے آرام کا ہر وقت خیال رکھتی تھیں۔ مولانا کے ساتھ انھوں نے مالی مشکلات بھی برداشت کیں۔ زلیخا بیگم کا زیادہ وقت اللہ کی یاد اور مولانا کے لیے کامیابی کی دعاؤں میں گذرتا۔ وہ سلیقے والی مہمان نواز اور ہنس مکھ بیوی تھیں۔

ایک واقعہ سنیئے جسے "آج کل" دہلی کے "آزاد نمبر" میں حمیدہ سلطان صاحبہ نے لکھا ہے "ایک دفعہ جب ہم گھر پر پہنچے تو زلیخا بیگم صاحبہ نے ہم سے ملنے میں دیر لگادی۔ مگر جب آکر ملیں تو ہماری والدہ سے معافی چاہتے ہوئے کہنے لگیں کہ میں مولانا کو کھانا کھلا رہی تھی وہ بہت تھوڑا کھانا کھاتے ہیں دو چمچے اُبلے ہوئے چاول تھوڑی دال، ترکاری، گوشت یا دہی۔ چونکہ سویرے بہت جلدی اٹھ جاتے ہیں اس لئے دوپہر کے کھانے کے بعد بارہ بجے سے پہلے ہی لیٹ جاتے ہیں پھر دو بجے نہا کر نماز پڑھتے ہیں اور اس کے بعد اپنے کاموں میں لگ جاتے ہیں اور ملنے والوں کا سلسلہ بڑی رات تک لگا رہتا ہے۔ آج کل مولانا قرآن پاک کی تفسیر لکھ رہے ہیں رات کو دو بجے کے بعد اٹھ جاتے ہیں، جتنی دیر وہ لکھتے ہیں، میں پنکھا جھلتی ہوں۔ موسم بہت گرم ہے باہر بھی گرم ہوائیں چلتی ہیں اور دم رکنے لگتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ

وہ جاگیں محنت کریں اور میں آرام سے سوتی رہوں"۔
یہی تھا اس نیک بی بی کا جذبہ جسے یاد کرکے مولانا غمگین ہوجایا کرتے تھے اس واقعہ سے مولانا اور ان کی بیوی کے تعلقات پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ جب ۱۹۴۲ء میں مولانا اور بہت سے لیڈروں کو احمد نگر قلعہ میں نظر بند کردیا گیا۔ تو اُن دنوں زلیخا بیگم سخت بیمار تھیں۔ دوا انھوں نے بالکل چھوڑ دی تھی اور غذا بھی نہیں چل رہی تھی۔ دو سال سے دق میں مبتلا تھیں اور ڈاکٹری علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا تھا۔ جب مولانا کو ان کی بیماری کی اطلاع ملی تو آپ نے انگریزی حکومت سے رہائی کے لیے درخواست نہیں کی۔ بیوی مولانا کو ایک نظر دیکھنے کی تمنا دل میں لیے ۱۹ اپریل ۱۹۴۳ء کو اس دُنیا سے چل بسیں اور مولانا نے یہ صدمہ بھی سہہ لیا مگر ملک کی آزادی کی تحریک کو مضبوط بنانے کی مہم میں انگریز سرکار سے کوئی رعایت لینا پسند نہیں کیا۔

اخباروں کی ادارت

مولانا آزاد نو دس برس کے ہوں گے کہ اخبارات دیکھنے کا شوق ہوا۔ گھر سے قریب آپ کے والد کے ایک مُرید کی دوکان تھی۔ وہ" اخبار عام" لاہور منگایا کرتے تھے۔ مولانا سب سے

پہلے اس اردو روزنامے سے آشنا ہوئے اور اس کی چھوٹی چھوٹی خبروں کو شوق اور دلچسپی سے پڑھتے رہے پھر آپ نے بہت سے اخبارات دیکھے اور پڑھے۔ اُن دنوں کلکتہ سے "دارالسلطنت" بھی نکلتا تھا' جو آپ کے والد مرحوم کے پاس پابندی سے آنے لگا تھا۔ آپ نے پہلے پہل اخبار "اپنچ" میں سر سیّد کی تصویر اور ان کے مرنے کی خبر پڑھی' سر سیّد کا انتقال ۱۸۹۸ء میں ہوا۔

۱۹۰۰ء میں مولانا کا شوق اخبارات میں مضامین لکھنے تک بڑھا اور سب سے پہلے آپ نے ایک مضمون بقرعید پر لکھا جو ہفتہ وار "المصباح" میں چھپا۔ یہ مضمون اس قدر پسند کیا گیا کہ اس زمانے کے بہت سے مشہور اخباروں نے اسے اپنے پرچوں میں نقل کیا۔ اس کے بعد مولانا نے کلکتہ کے ایک صاحب کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اخبار نکالیں' چنانچہ ہفتہ وار "احسن الاخبار" جاری ہوا۔ اور اس اخبار سے تبادلہ میں دور دور سے عربی اور اردو اخبارات آنے لگے اور مولانا کو دنیا بھر کے واقعات سے دلچسپی و آگاہی ہونے لگی۔

ایک بار "احسن الاخبار" میں آپ کا ایک مضمون چھپا تھا' جس پر سارے کلکتہ میں ہنگامہ ہو گیا تھا اور لوگ آپ کو قتل کرنے پر تل گئے تھے۔ بڑی مشکل سے آپ کے والد نے بیچ بچاؤ کیا۔

آخر کار یہ اخبار چار پانچ ماہ بعد بند ہو گیا۔ اس ہفتہ وار کے علاوہ آپ نے اس زمانے میں نکلنے والے ماہناموں مخزن لاہور خدنگ نظر لکھنؤ مرقع عالم ہردوئی اور دوسرے رسالوں کے علاوہ حیدرآباد دکن سے نکلنے والے کئی رسائل میں مضامین لکھے۔

احسن الاخبار سے پہلے آپ نے عام مجلسوں میں تقریریں کرنا شروع کر دیا تھا اور دل میں طرح طرح کے جذبات کروٹیں لے رہے تھے۔ مضمون نگاری کا شوق اخباروں کا ذوق اڈیٹری کی خواہش ماہوار علمی رسالے ترتیب دینے کی امنگ اور پھر تقریر کی لگن نے آپ کو ایک انجمن قائم کرنے پر زور دیا۔
"انجمن الاصلاح" قائم ہوئی اور اس کے ساتھ دارالمطالعہ "دارالاخبار" کے نام سے قائم کیا۔ اس سلسلے میں سہولت یہ تھی کہ "احسن الاخبار" کے تبادلہ میں دنیا جہاں کے اخبارات مفت آتے تھے صرف انگریزی اخبارات خریدے جاتے تھے۔ کتابیں بھی موجود تھیں صرف ایک کمرے کا انتظام کر دینے سے بہ آسانی دارالمطالعہ قائم ہو سکتا تھا۔ چنانچہ کلکتہ میں آپ نے چند ہمدرد اور مطالعہ کے شوقین حضرات کی مدد سے ایک کمرہ حاصل کر لیا اور "انجمن الاصلاح" اور دارالمطالعہ کا قیام عمل میں آیا۔ جہاں تقریری و تحریری مقابلے ہوتے۔ اس طرح شہر میں علمی مذاق کو ترقی دی جاتی رہی

پھر دھیرے دھیرے فرنیچر کے لیے اپیل کی گئی اور یہ بھی فراہم ہو گئے۔ ٹیبلوں پر اخبارات رکھے جانے لگے اور "الاصلاح" کے ہفتہ وار جلسے ہونے لگے جس میں کالج کے ذہین گرانجویٹ اور اور دوسرے ممتاز حضرات بھی حصّہ لینے لگے۔

جب "احسن الاخبار" بند ہو گیا تو پھر دارالمطالعہ کے اخبارات جو تبادلے میں آتے رہتے تھے ایک ایک کر کے بند ہونے لگے۔ اخبارات کی کمی کا نتیجہ یہ تھا کہ دارالمطالعہ بند ہو جائے قیمت سے اخبارات منگوانے کی سکت نہ تھی اور اس کے لیے کافی فنڈ کی ضرورت تھی اور اس کا ملنا دشوار تھا۔ آخر کار بڑی کوششوں کے بعد طے پایا کہ دارالمطالعہ کے لیے اخبارات کی خاطر ایک پندرہ روزہ اخبار نکالا جائے۔ پھر فوراً ہی "لسان الصدق" شائع ہوا۔ جو تھوڑے ہی عرصے میں اپنے علمی اور ادبی مضامین کے سبب کافی مقبول اور مشہور ہو گیا۔ مولانا کی عمر اس وقت چودہ پندرہ برس کی تھی۔ بعد کو یہ اخبار انجمن ترقی اردو کی نگرانی میں نکلنے لگا جس کے صدر اس وقت علامہ شبلی نعمانی تھے۔ اسی اخبار میں مولانا آزاد نے مولانا حالی کی مشہور تصنیف "حیات جاوید" پر ایک شاندار تنقیدی مضمون لکھا جس سے ان کے علمی قابلیت کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔

مولانا حالی سے ملاقات

۱۹۰۱ء "انجمن حمایت اسلام" لاہور نے آپ کو ایڈیٹر "لسان الصدق" کی حیثیت سے اپنے سالانہ اجلاس میں تقریر کرنے کی درخواست کی انجمن کے لوگ مولانا کو ذاتی طور پر نہیں جانتے تھے۔ صرف آپ کے مضامین سے واقف تھے۔ اِس اجلاس میں مولانا حالی، مولوی نذیر احمد، ڈاکٹر محمد اقبال اور مولانا وحیدالدین سلیم ایسے بلند پایہ ادیب شاعر اور عالم موجود تھے۔ مولانا حالی سے ملاقات کی داستان خود مولانا آزاد سے سنیئے۔ "مولانا سلیم کے ساتھ جب میں مولانا حالی کی قیام گاہ پہنچا تو سلیم صاحب نے مولانا حالی سے میری طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ان کی عمر کیا ہے؟ مولانا نے بے انتہا سنجیدہ لہجے میں بہت کچھ سوچنے کے بعد کہا کہ "ابھی بہت کم عمر ہیں" انھوں نے پھر زور دیا کہ نہیں بتلایئے کتنی عمر ہے؟ مولانا حالی نے کہا "یہی پندرہ سولہ برس کی ہوگی" پھر سلیم صاحب نے کہا "لسان الصدق" کے ایڈیٹر یہی ہیں! مولانا حالی نے فرمایا "وہ جو کلکتہ سے نکلتا ہے؟" میں نے کہا ہاں "لیکن انھیں اطمینان نہیں ہوا۔ جب مولوی سلیم نے یقین دلایا کہ یہی ایڈیٹر ہیں تو مولانا حالی بہت خوش ہوئے میں دور بیٹھا تھا مجھے بلایا اور حالات پوچھنے لگے کہا "ابھی آپ پڑھتے ہیں؟" میں نے کہا "نہیں میں اپنی تعلیم ختم کر چکا ہوں" کہنے لگے "کتنا عرصہ ہوا؟"

میں نے کہا" دو تین سال" اس پر انھیں اور بھی تعجب ہوا اور اس دن سے مرتے دم تک وہ برابر مجھ پر شفقت فرماتے رہے اور ہمیشہ انکے خطوط آتے رہے۔

۱۹۰۵ء میں ایسے حالات پیش آئے کہ مولانا آزاد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیئے مصر چلے گئے جہاں آپ نے قاہرہ کی مشہور یونیورسٹی ازہر میں تعلیم پائی۔ دو سال بعد عراق، شام اور فلسطین کا دورہ ختم کر کے آپ بمبئی واپس آ گئے۔ اس عرصہ میں "لسان الصدق" بند ہو چکا تھا بمبئی میں علامہ شبلی نعمانی سے ملاقات ہوئی وہ ان دنوں ماہنامہ" الندوہ" نکال رہے تھے۔ مولانا شبلی آپکی قابلیت کی قدر کرتے تھے اور آپکی تقریروں سے اس قدر متاثر تھے کہ بار بار تعریف کرتے اور کہتے کہ "تمھارا دماغ اور ذہن عجائب روزگار میں سے ہے تمھیں تو کسی نمائش گاہ میں بطور ایک عجوبے کے پیش کرنا چاہیئے۔"

مولانا شبلی نے الندوہ کی ایڈیٹری مولانا آزاد کے حوالے کی اور آپ نے سات آٹھ ماہ مولانا شبلی کی خدمت میں گزارے اور پھر بمبئی میں ایک صاحب کے تقاضے پر اخبار 'وکیل' کی ادارت اپنے ذمہ لی۔ اس زمانہ میں آپکے بھائی صاحب کا کلکتہ میں انتقال ہو گیا اور آپ کو بمبئی چھوڑنا پڑا کلکتہ پہنچنے کے بعد آپ کی خدمات دار السلطنت کے مالک نے حاصل کیے۔ یہ اخبار پہلے بھی نکلتا تھا مگر درمیان میں بند ہو گیا تھا جب مولانا کی ادارت میں دوبارہ نکلنے لگا تو بہت جلد

ترقی کر گیا۔

۱۹۱۲ء میں جبکہ آپ کی عمر چوبیس برس کی تھی کلکتہ سے ہفتہ وار "الہلال" جاری کیا۔ یہ اس قدر مقبول اور شاندار اخبار تھا کہ آج بھی اس معیار کا اردو اخبار ہمارے ملک میں نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے "البلاغ" نکالا۔ ہر دو ہفتہ وار رسالے ٹائپ میں چھپتے تھے اور دور دور کے ملکوں کی خبریں اور تصویریں ان میں شائع ہوتی تھیں۔ مولانا کے بلند پایہ مضامین ملک بھر میں مشہور ہو چکے تھے۔ دو سال بعد ۱۹۱۴ء میں حکومت نے اُن کے اخبار "الہلال" کو بند کرا دیا اور مولانا آزاد پہلی بار رانچی کے جیل میں نظر بند کر دیئے گئے۔ رانچی کی نظر بندی کے زمانے میں آپ نے "ترجمان القرآن" لکھا۔

گاندھی جی سے ملاقات اور کانگریس میں شرکت

سات سال بعد ۱۹۲۰ء میں حکومت نے آپکو نظر بندی سے رہا کر دیا۔ اسی زمانہ میں آپ نے گاندھی جی سے ملاقات کی اور کھدر پہننا شروع کیا۔ مولانا آزاد نے خلافت اور عدم تعاون کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینا شروع کیا اور گرفتار کر لیئے جا کر دو برس قید میں رکھے گئے۔

جب سارے ملک میں ۳۲-۱۹۳۰ء میں انگریزوں کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک زور پکڑی تو مولانا نے بہت سرگرم حصّہ لیا

اور انھیں قید کی سزا بھگتنی پڑی۔ اگست ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ دو تحریک میں آپ کو گرفتار کر کے احمد نگر کے قلعے میں قید کر دیا گیا۔ جہاں سے آپ جون ۱۹۴۵ء میں رہا ہوئے۔ احمد نگر جیل میں آپ نے ایک شاندار کتاب "غبارِ خاطر" لکھی۔ یہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ اِس میں ایک ایسا باب ہے جس میں آپ نے "چڑا یا چڑے کی کہانی" لکھی ہے جو بچوں کے لئے دلچسپ چیز ہے۔ ۱۹۲۳ء میں مولانا آزاد ہندوستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کانگریس کے صدر چنے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء میں بھی آپ ہندوستان کی پہلی حکومت میں وزیرِ تعلیم رہے۔ ۱۹۵۲ء میں قدرتی وسائل اور سائنسی تحقیقات کا محکمہ بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ ۱۹۵۱ء میں دوسرے عام انتخابات میں آپ پھر پارلیمنٹ کے ممبر چنے گئے اور بدستور مرکزی وزیرِ تعلیم و سائنسی تحقیقات بنے رہے۔

فالج کا حملہ اور انتقال

چہارشنبہ ۱۹ فروری ۱۹۵۸ء کی صبح مولانا آزاد پر فالج کا حملہ ہوا تھا اور اُس وقت سے تقریباً بیہوشی کی حالت میں تھے۔ اِنکا داہنا ہاتھ بالکلیہ بیکار ہوگیا تھا اور انھیں آکسیجن کے خیمے میں رکھا گیا تھا۔ ۲۲ فروری کو آپ کی طبیعت کچھ دیر کیلئے سنبھلی تھی اور آپ نے چند لوگوں کو پہچانا تھا۔ جب ڈاکٹر بی سی رائے نے

مولانا سے کہا کہ پنڈت نہرو آئے ہیں تو اس آواز پر آپ نے آنکھیں کھولیں اور خدا حافظ کہا۔ آخرکار ۲۲ فروری کی رات ۲ بجکر ۱۵ منٹ پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اپنی کوٹھی ۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ نئی دہلی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مولانا کی نبض شام میں سات منٹ بجے ہی ڈوب چکی تھی لیکن سانس دو بج کر پندرہ منٹ تک چلتی رہی۔ مولانا کے انتقال کے بعد ان کا چہرہ پرسکون نظر آرہا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ مولانا آزاد نے اپنی آخری تقریر پریڈ گراؤنڈ پر انجمن ترقی اُردو کی طرف سے بلائی گئی اردو کانفرنس میں کی تھی اور کہا تھا کہ عوام زبان کے مسئلہ پر ایک دوسرے سے جنگ کریں۔ اُردو کا حق قانون نے تسلیم کیا ہے اُسے اسکا حق ضرور مل کر رہے گا اور میں اُردو کے مستقبل سے قطعی نا اُمید نہیں ہوں۔

مولانا آزاد کی میت پورے سرکاری اعزازات کیساتھ کوئی پانچ گھنٹے تک انکی کوٹھی پر رکھی رہی تاکہ عقیدت مند آخری دیدار کر سکیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے آپکو آخری بار دیکھا۔ جب میت اٹھائی جانے لگی تو ڈاکٹر راجندر پرشاد، وزیر اعظم نہرو، ڈاکٹر رادھا کرشنن، دوسرے وزیروں، عالموں اور عوام نے آخری دعائیں پڑھیں اس کے بعد میت کو توپ گاڑی پر رکھا گیا اور پھول چڑھائے گئے۔ جنازے کا جلوس ایک بجے بعد دوپہر روانہ ہوا۔ شری نہرو گاڑی میں جنازے کے سامنے غمگین کھڑے تھے۔ جب جنازے کی گاڑی حرکت میں آئی تو عرب

ملکوں کے سفارتی نمائندے اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکے۔ جلوس چار میل لمبے راستے سے گذرتا ہوا ڈھائی بجے کے قریب پریڈ گراؤنڈ پہنچا راستوں کے دونوں طرف لاکھوں لوگ قطار باندھے کھڑے تھے اور درد بھری آواز میں "اللہ اکبر" اور مولانا آزاد زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ پریڈ گراؤنڈ پر کوئی پانچ لاکھ لوگ جمع تھے اور ایک ہزار بری فوج کے سپاہی تین سو ہوا باز اور بحری فوجوں کا دستہ قطار باندھے کھڑا تھا۔ جب جنازے کی گاڑی انکے پاس سے گذری تو انھوں نے فوجی قاعدے کے مطابق سلامی دی۔ جامع مسجد میں جنازے کی نماز مولانا احمد سعید نے پڑھائی۔ نماز کے بعد جب جنازے کو لحد پر لیجایا گیا تو فوجی دستوں نے بگل بجائے۔ راشٹرپتی، شری نہرو اور دوسرے لیڈروں نے مولانا کی میت پر گلاب کا پانی چھڑکا۔ جب میت قبر میں اتاری گئی تو وزیر اعظم نہرو کا فکرمند چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا۔ اور ہزاروں آدمیوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جھلکنے لگے۔ میت تین بج کر دس منٹ پر دفن کی گئی۔ اسوقت پنڈت نہرو بے اختیار رو پڑے۔ مولانا آزاد کے نزدیکی ساتھی۔ ڈاکٹر سید محمود ممبر پارلیمنٹ مولانا کی لحد کے پاس پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور اس صدمے کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو کر گرنے ہی والے تھے کہ شری نہرو نے جو خود بھی رنج وغم سے نڈھال تھے انھیں سنبھالا اور اُن کے آنسو پونچھے۔

مولانا آزاد کے غم میں سارے ہندوستان میں قومی جھنڈے جھکا دیئے گئے اور ملک بھر میں سرکاری دفاتر، مدرسے، کارخانے اور دوکانیں بند رہیں اور ہر جگہ مولانا کی یاد میں ماتمی جلسے ہوئے مولانا کی بے وقت موت پر دنیا کے کونے کونے سے ہزاروں تعزیت کے پیام اور تار آئے جس میں مولانا کی بے وقت موت پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا گیا تھا۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد، صدر جمہوریۂ ہند نے دہلی کے ایک ماتمی جلسے میں کہا کہ "وہ قلم جس سے موتی برستے تھے، وہ قلم جس سے بجلیاں بھی گرتی تھیں، وہ زبان جس سے پھول برستے تھے، وہ زبان جس سے چنگاریاں بھی برستی تھیں، جو باطل (جھوٹ) کو جلاتی بھی تھیں اور سچ کو روشن بھی کرتی تھیں۔ آج وہ زبان بند ہے وہ قلم ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن وہ مثال باقی ہے اور ہمیں چاہیئے کہ ہم اس مثال سے گرمی بھی لیں اور روشنی بھی اور اپنی زندگی کو ایسا بنائیں جیسا کہ وہ چاہتے تھے۔ ان کی زندگی کی مثال ہمارے سامنے ہے جو وہ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں"۔

مولانا آزاد کی تصانیف کے بارے میں یوسف علی مہر نے لکھا تھا۔

مولانا آزاد نے مشرق و مغرب کے فلسفوں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے اپنے قلم کی طاقت سے ہندوستان بلکہ اس سے باہر کے ملکوں کی بھی قوم پرستانہ تحریکوں پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ انکی عربی تحریروں کا

مصر اور افغانستان کی تاریخ پر بہت زیادہ اثر ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں عربی اور فارسی زبانیں پڑھی اور بولی جاتی ہیں وہاں مولانا آزاد کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ ان کا بجا طور پر انقلاب فرانس سے پہلے کے زمانے کے فرانسیسی فلاسفروں سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔"

شری مہادیو دیسائی نے مولانا آزاد کی سوانح عمری لکھی تھی۔ ۱۸ مئی ۱۹۴۰ء کو مہاتما گاندھی نے اس کے دیباچہ میں لکھا تھا "مجھے ۱۹۲۰ء سے قومی کام میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ وابستہ رہنے کا فخر حاصل رہا ہے۔ اسلام کے بارے میں ان سے زیادہ معلومات کسی اور کو حاصل نہیں ہیں عربی زبان کے وہ بہت بڑے عالم ہیں۔ ان کی دیش بھگتی اسی طرح پختہ ہے جس طرح ان کا اسلام میں عقیدہ۔ وہ انڈین نیشنل کانگریس کے اعلیٰ ترین سردار ہیں اور ہندوستانی سیاست کا مطالعہ کرنے والے ہر ایک شخص کو چاہیئے کہ وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرے۔"

وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے مولانا سے اپنی عقیدت کو ان لفظوں میں دہرایا ہے "ہم جب بعض چیزوں کے عادی ہو جاتے ہیں تو محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہمیشہ رہیں گی۔ اسی طرح ہمیں اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھی ایسا ہی گمان ہو جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی شخص اچانک اس دنیا سے اٹھ جاتا ہے تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کی زندگی اور اس کی موت ہمارے لئے معنی رکھتی ہے مولانا آزاد ان لوگوں میں سے تھے جن کی شخصیت کی نشو و نما قومی تحریک کے ساتھ ساتھ آدھی صدی سے زیادہ مدت میں ہوئی۔

انھوں نے قومی تحریک کے مختلف دور دیکھے! دوران میں حصّہ لیا وہ اس تحریک کا ایک اہم حصّہ تھے اور انھوں نے بڑی حد تک اس کی تشکیل کی۔ پھر بھی وہ ایک جیّد عالم اور انفرادیت پسند رہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ ہندوستانی عوام کے انبوہ کثیر میں یکہ و تنہا حیثیت کے مالک رہے اسکے علاوہ انکی ذات غیر معمولی علمیّت اور حیرت افزا ذہانت کی حامل تھی جس پر کبھی جذبات یا تعصب کا غلبہ نہیں ہونے پاتا تھا۔

مولانا آزاد غیر معمولی ذہین اور بہت بڑے عالم تھے آپ نے زندگی بھر۔ ہندو مسلم اتفاق قائم رکھنے کی باتوں کو آگے بڑھایا۔ اور آپسی دشمنی و بھید بھاؤ کو بُرا سمجھا۔ مولانا کی زندگی ایک ایسا آئینہ تھی جس میں ہندوستان کی رنگارنگ تہذیب دیکھی جاسکتی تھی۔ آپ نے عمر بھر کسی کی برائی نہیں کی۔ اگر کوئی آپ کے سامنے کسی کی برائی بیان کرتا تو آپ اس کی کوئی نہ کوئی اچھائی ظاہر کر دیتے۔ جب تک جیئے ہر شخص کو "میرے بھائی" سے مخاطب کرتے رہے۔

آپ بچوں پر بہت مہربان تھے اور ہر وقت ان سے پیار و محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ مولانا کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ "آپ انسان کے روپ میں فرشتہ تھے اور آپ کی زندگی ایک فرشتے کی زندگی تھی" ع :-

"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

تمّت

اِس سلسلہ کی دوسری مطبوعہ کتابیں

کتاب	مصنف
۱- ہمارے پھول	پروفیسر سعید الدین
۲- زہریلے پودے	ڈاکٹر عبدالسلام
۳- چیونٹی	ڈاکٹر مہندر راج سکسینہ
۴- پانی کی کہانی	جناب فیض محمد صدیقی مرحوم
۵- پودوں کی کہانی	پروفیسر محمد سعید الدین
۶- آب دوز اور سرنگ	جناب فیض محمد صدیقی مرحوم
۷- کشمش ناتی	جناب شجاع احمد صاحب قائد۔
۸- باتیں	جناب شجاع احمد صاحب قائد۔
۹- عرب اور عربستان	محترمہ جہاں بانو نقوی (ایم۔اے)
۱۰- سر سید احمد خاں	جناب ظہیر الدین احمد ایم۔اے (مرحوم)
۱۱- دادا بھائی نوروزجی	جناب ظہیر الدین احمد ایم۔اے (مرحوم)
۱۲- اشوک اعظم	سیدہ مہدی جعفری صاحبہ
۱۳- سیر گولکنڈہ	ڈاکٹر سید محی الدین قادری صاحب زور
۱۴- حیدرآباد	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ صاحبہ
۱۵- عماد الملک	جناب فیض محمد صدیقی (مرحوم)
۱۶- گاندھی جی	جناب خورشید احمد صاحب جامی
۱۷- سروجنی نائیڈو	جناب سید وزیر حسن صاحب دہلوی
۱۸- محمد قلی قطب شاہ	جناب وقار خلیل صاحب

ملنے کا پتہ:- ایوان اردو خیریت آباد حیدرآباد نمبر ۴ ... ۵۰۰۰